ایک وفا ایسی بھی

ڈاکٹر نعیمہ جعفری پاشا

مکان نمبر 17، تھرڈ فلور، پاکٹ 2، جسولہ، نئی دہلی، موبائل: 9911802189

اگلا پیریڈ فزکس کا تھا۔ بی۔ ٹیک تھرڈ ایئر کے سبھی طلبا کلاس میں بیٹھے نئے پروفیسر کا انتظار کر رہے تھے۔ کلاس روم میں قیاس آرائیاں چل رہی تھیں۔ خبر تھی کہ نئے پروفیسر بہت ہی قابل ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے کسی ملٹری کالج میں پڑھاتے تھے، بہت سخت گیر ہیں، ڈسپلن کے بہت بڑے پرچارک ہیں، لیکن تھوڑے سے بے وقوف بھی ہیں، کانوں کے کچے ہیں، سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے ایکشن لے لیتے ہیں۔ اسی اثنا میں پروفیسر صاحب نے کلاس میں قدم رکھا۔ منحنی سی شخصیت کے مالک تھے، سر پر بال صرف کنپٹیوں پر تھے، کچھ کالے اور کچھ سفید (جو کہ ذہانت اور پڑھا کو ہونے کی نشانی بتائے گئے ہیں) آنکھوں پر موٹے شیشے والا چشمہ غالباً بائی فاکل نہیں تھا اسی لیے چشمے کے اوپر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ چشمہ ناک کی پھنڈ پر رکھا رہتا تھا، لیکن لباس بڑے قاعدے کا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ محنت سے پریس کی ہوئی سفید شرٹ، کریز والا سیاہ پتلون، پالش کیے ہوئے چمکدار جوتے۔ سب نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ میں نے اور بھانو پرتاپ نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا اور پھر ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ پروفیسر صاحب کی آواز ان کی شخصیت کے برعکس بڑی پاٹ دار تھی۔ انھوں نے طلبا و طالبات کو وش کرتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

''میرا نام ظہیر الاسلام ہے۔ میں پونے کے آرمی انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں اسسٹنٹ پروفیسر تھا۔ وہاں میں نے بارہ سال پڑھایا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہی ڈسپلن اور ڈیڈیکیشن میں آپ لوگوں میں بھی دیکھوں۔''

اس کے بعد انھوں نے ہمارا انٹروڈکشن (Introduction) لیا۔ میری باری آئی تو میں نے کھڑے ہو کر اپنا تعارف دیا۔

''بھانو پرتاپ سنگھ فرام روہتک، ہریانہ، رول نمبر 33۔''

میرے بعد بھانو کا نمبر تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر کہا۔

''فضلِ مصطفیٰ فرام قائم گنج، رول نمبر 34۔''

لڑکوں نے معنی خیز زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا تعارف سنا، لڑکیوں نے خشمگیں نگاہوں سے ہمیں گھورا، لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔ پروفیسر صاحب نے فوراً ہی ہمیں پہچان لیا۔ ''ایم۔ ایم۔ ہال، سیفی ہوسٹل، روم نمبر 14'' وہ زیرِ لب بڑبڑائے جو سب نے سنا اور ہم نے سر جھکا کر اپنی شرارت آمیز مسکراہٹ کو چھپایا۔

ہوا یوں کہ سرما کی تعطیل کے بعد یونیورسٹی کھلی تو ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے فزکس کے استاد ایک سال کی اسٹڈی لیو پر امریکہ چلے گئے ہیں۔ ہمارے ہاسٹل کے وارڈن بھی وہی تھے۔ اس کا مطلب ہوا کہ فی الوقت ہم وارڈن اور پروفیسر دونوں کی قید سے آزاد تھے۔ اسی زمانے میں علی گڑھ میں نمائش بھی لگی ہوئی تھی۔ نمائش میں جانے کے لیے ہر ہال کا ایک دن مقرر ہوتا تھا۔ اس دن صبح سے ہاسٹلوں میں ہل چل شروع ہو جاتی تھی۔ لڑکے اپنی اپنی شیروانیاں پریس کروانے کے لیے بھاگے پھرتے تھے، لیکن جس دن عبداللہ ہال یا سروجنی نائیڈو ہال کی باری ہوتی تھی، اس دن تو لڑکوں کی سج دھج ہی نرالی ہوتی تھی۔ بہت سے لڑکے بن بلائے مہمان کے طور پر نمائش گراؤنڈ میں آنکھیں سینکنے اور مہذب قسم کی جملہ بازیاں کرنے پہنچ جاتے تھے۔ قصّہ مختصر جس دن ایس۔ این ہال نمائش میں جانے والا تھا اس دن ہم، یعنی میں فضل مصطفیٰ اور بھانو پرتاپ بھی پہنچے ہوئے تھے۔ اتفاق سے کسی باہر کے لڑکے نے لڑکیوں پر غیر مہذب ریمارک پاس کیے۔ لڑکیوں نے اپنی وارڈن سے شکایت کی، وارڈن نے وہاں موجود پولیس والوں کو بلا لیا۔ تماش بینوں میں ہم بھی تھے، لیکن حالات خراب ہوتے دیکھ کر کھسک لیے اور ہاسٹل واپس آ گئے۔ اللہ اللہ خیر سلاّ۔ اگلے دن صبح صبح ہمارے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا۔ بھانو نے دروازہ کھولا تو مانیٹر کے ساتھ ایک اجنبی شخصیت کو دیکھ کر کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ مانیٹر نے بڑھ کر تعارف کروایا۔

''یہ ہمارے نئے وارڈن ہیں، پروفیسر ظہیر الاسلام صاحب۔''

اتنے میں میں اُٹھ کر دروازے پر آ گیا تھا۔ وارڈن صاحب نے بھانو کو دیکھتے ہوئے کہا: ''تم فضلِ مصطفیٰ'' اور مجھے دیکھ کر کہا: ''تم بھانو پرتاپ سنگھ رات کو نمائش میں بغیر اجازت گئے اور وہاں جھگڑا کیا؟''

میں نے مسمسی صورت بنا کر کہا: ''سر ہم وہاں گئے ضرور تھے، لیکن رات آٹھ بجے سے پہلے واپس آ گئے تھے۔ اور ہم نے کوئی جھگڑا نہیں کیا اور نہ ہی ہمارے سامنے کوئی جھگڑا ہوا۔'' (جھگڑا رات نو بجے ہوا تھا۔)

وارڈن صاحب اڑ گئے ''مجھے بارسوخ ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ تم دونوں موقع واردات پر موجود تھے اور جھگڑے میں شریک تھے۔''

''سر جس نے بھی آپ سے کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔'' بھانو نے بھی لب کھولے: ''کوئی بلاوجہ جھوٹ کیوں بولے گا؟'' انھوں نے جرح کی۔ ''تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔''

''سر ہم بلاوجہ جھوٹ کیوں بولیں گے۔'' میں نے بحث کی۔

''تمہارے پاس وجہ ہے۔ تم سزا سے بچنا چاہتے ہو۔ بلاوجہ کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ تمہاری سزا یہ ہے کہ تمھیں آج لنچ نہیں ملے گا۔ میں فوڈ مانیٹر سے کہہ دوں گا۔'' وارڈن صاحب اپنے چیلوں کے ساتھ چلے گئے۔ میں نے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا۔ بھانو نے کہا: ''یار اس وارڈن کو سمجھانا پڑے گا کہ لوگ بے وجہ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔''

اس روز جب ہم بھوکے پیٹ فزکس کی کلاس میں پہنچے تو وہی وارڈن ہمارے فزکس کے پروفیسر بھی ثابت ہوئے۔ ہماری یہ ایکٹیوٹی دو ماہ تک چلی۔ پروفیسر صاحب مجھے بھانو پرتاپ اور بھانو کو فضلِ مصطفیٰ سمجھتے رہے۔ دو ماہ بعد سیشنل امتحان ہوئے تو بھانو فزکس میں فیل ہو گیا۔ پروفیسر صاحب نے مجھے بھانو کی کاپی دیتے ہوئے سخت سست کہا تو میں نے تصحیح کی۔

''سر یہ میری کاپی نہیں ہے۔ مجھے تو A گریڈ ملا ہے۔''

''کیا بات کرتے ہو!'' وہ غرّائے اور بھانو کی کاپی مجھے دکھائی۔ میں نے کہا: ''سر یہ تو بھانو پرتاپ سنگھ کی آنسر شیٹ (Answer Sheet) ہے۔''

''تو تم کون ہو؟'' انھوں نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں پوچھا:

''سر میں فضلِ مصطفیٰ ہوں۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے!'' وہ چکرائے ''تو تم دونوں دو مہینے تک مجھ سے جھوٹ بولتے رہے!! لیکن کیوں؟''

''سر آپ نے ہی تو کہا تھا کہ بلاوجہ کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ تو ہم یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ لوگ بلاوجہ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔'' میں نے میز پر پڑی ہوئی اپنی کاپی اُٹھائی اور پروفیسر صاحب کو ہکّا بکّا چھوڑ کر کلاس سے نکل آیا۔

ایسی تھی ہماری دوستی، میں اور بھانو، ایک جان دو قالب، کلاس فیلو، روم پارٹنر اور بچپن کے دوست۔ ہم دونوں نے دہلی کے ڈی پی ایس اسکول سے چھٹے درجے سے بارہویں درجے تک ایک ہی کلاس اور ایک سیکشن میں رہ کر اپنی تعلیم مکمل کی۔ دونوں IIT کا خواب لے کر چلے تھے، لیکن دونوں ہی ناکام رہے اور دونوں کا ہی سلیکشن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ذاکر حسین انجینئرنگ کالج میں ہو گیا۔ ہم دونوں نے سول انجینئرنگ کا انتخاب کیا اور دونوں کو ہاسٹل میں کمرہ بھی ایک ہی ملا۔ ہر قسم کے کھیلوں اور ہر قسم کی شرارتوں میں ہم دونوں ہمیشہ ساتھ رہے۔ ہم دونوں کے خیالات، نظریات اور عقائد بھی ایک جیسے تھے۔ مذہب کو وہ بھی بہت سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا اور میں بھی عید بقرعید اور جمعہ کی نماز کے علاوہ نام کا مسلمان تھا۔ رمضان میں ڈائننگ ہال بند رہتا ہے تو میں روزے رکھ لیتا تھا۔ بھانو پرحالانکہ ایسی کوئی پابندی نہیں تھی، لیکن وہ بھی دن بھر سوائے پانی پینے کے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اتنی ہم آہنگی کے باوجود ہم میں ایک اختلاف ضرور تھا۔ وہ رشتوں کے تئیں وفاداری اور پائیداری کا قائل تھا جب کہ میں رشتوں کی پائیداری کو لے کر پس وپیش میں مبتلا تھا مجھے لگتا تھا۔ کوئی اپنی ساری زندگی کسی ایک ہی شخص کے ساتھ کیسے گزار سکتا ہے۔ اسی لیے مجھے شادی کا تصور بھی ایک ڈھکوسلہ لگتا تھا، جہاں دو لوگ اپنی ساری زندگی سمجھوتوں اور شرطوں پر گزار دیتے ہیں۔ اس بات کو لے کر مجھ میں اور بھانو میں بڑی گرما گرم بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ زیادہ تر ساتھی بھانو کا ساتھ دیتے تھے۔ اسی دوران میرے والدین نے اپنی شادی کی سلور جوبلی دھوم دھام سے منائی۔ مجھے بھی جانا پڑا۔ واپس آ کر میں نے بھانو کو تقریب کا آنکھوں دیکھا حال سناتے ہوئے کہا۔

''اس کا سارا کریڈٹ میری امّی کو جاتا ہے۔ یہ انہی کا حوصلہ ہے کہ پچھلے پچیس سال تک پاپا جیسے غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دار آدمی کے ساتھ صبر، شکر، برداشت اور ہمت وتحمل سے نبھا رہی ہیں۔

بھانو نے خاموشی سے ساری داستان سننے کے بعد کہا: ''ایک لفظ تم بھول گئے۔ محبت، اس سارے صبر وتحمل کے ساتھ ساتھ کہیں محبت بھی ہوتی ہے۔ تبھی سب کچھ برداشت کرنے کی ہمت آتی ہے۔''

''ارے چھوڑو۔ تم اور تمہاری So Called محبت۔ یہ سوفی

صدی Compromise ہے اور میں Compromise کا قائل نہیں ہوں۔''

''تم غلطی پر ہو دوست۔ ایک دن تمھیں احساس ہوگا۔ میں تو جس سے محبت کروں گا وہی دائمی ہوگی اور میں تمھیں اپنی شادی کی گولڈن جوبلی پر انوائٹ کروں گا۔'' بھانو نے کہا: ''جانتے ہو میں اپنے چاچا کو Idealise کرتا ہوں۔ ان کی Arrange میرج تھی، لیکن انھوں نے چاچی کو ٹوٹ کر چاہا تھا دس سال پہلے چاچی کا سورگ واس ہوگیا۔ چاچا نے دوسری شادی نہیں کی حالانکہ دادی اور پاپا بہت نے زور دیا۔ انھوں نے کسی عورت سے بھی کوئی تعلق نہیں بنایا۔ اپنی زندگی چاچی کی یادوں کے سہارے گزار رہے ہیں۔ تم دیکھ لینا۔ اگر میری زندگی میں بھی بھگوان نہ کرے کوئی ایسی گھٹنا ہوئی تو میں اس کی یاد میں سادھو بن کر جیون کاٹ دوں گا۔ میری نظر میں وفاداری اور پوتر تا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔''

ہماری بحثیں یونہی چلتی رہیں۔ نہ میں اسے قائل کر سکا اور نہ وہ مجھے۔ ہم دونوں نے ہی علی گڑھ یونیورسٹی سے B.Tech کر لیا۔ بھانو ماسٹرس کرنے کے لیے ہارورڈ چلا گیا اور مجھے IIT دہلی میں داخلہ مل گیا، لیکن ہمارا رابطہ بنا رہا۔ پہلے پکچرز پوسٹ کارڈ کے ذریعہ یا ٹیلی فون کے ذریعہ اور پھر انٹرنیٹ پر۔ بھانو نے ماسٹرس کر کے USA میں ہی ملازمت کر لی تھی وہ ایک بنگلہ دیشی لڑکی کے عشق میں گلے ڈوبا ہوا تھا۔ گھنٹوں میرے ساتھ انٹرنیٹ پر Chat کرتا اور اپنی والہانہ محبت اور بے تابیوں کی داستان سناتا۔ مجھے بھی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی جاب مل گئی تھی اور میری شادی میرے ایک دور کے چچا کی بیٹی سے ہوگئی تھی۔ میری بیوی سحر بہت سی خوبیوں کی مالک تھی اور ہر لحاظ سے ایک بہترین ہمسفر ثابت ہوئی۔ رشتوں کے بارے میں میرا نظریہ بدل چکا تھا اور میں بھانو کے فلسفۂ وفاداری کا قائل ہونے لگا تھا۔

بھانو کو اپنی محبت حاصل کرنے میں سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے خاندان والے جو Inter cast شادی کے ہی خلاف تھے Inter religion شادی کے لیے کسی طرح تیار نہیں تھے۔ وہ برابر Whatsapp پر مجھ سے اپنے جذبات اور مسائل شیئر کرتا رہتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ سمیرہ میری زندگی میں پہلی اور آخری لڑکی ہے۔ وہ نہ ملی تو کبھی شادی نہیں کروں گا۔ کبھی کوئی اور عورت میری زندگی میں نہیں آئے گی۔'' بہ ہزار دقت اور منت سماجت بھانو کے ماں باپ شادی پر تیار ہوئے۔ شادی کے لیے اس نے اپنے والدین کو امریکہ ہی بلا لیا تھا اور اس طرح بھانو کو اپنی محبت مل گئی۔

اس کے بعد نہ جانے کیا ہوا کہ میرا بھانو سے رابطہ ٹوٹ گیا۔ شاید اس نے اپنا فون نمبر بدل لیا تھا اور Mailing میں بھی کچھ گڑ بڑ تھی۔ میں بھی بہت مصروف ہوگیا تھا۔ بھانو اکثر یاد آتا تھا کبھی فرصت ملتی تو اسے میل کرتا، لیکن اس کا جواب نہیں آتا۔ تین سال بعد اچانک ہی وہ Face Book پر نمودار ہوا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ اس کی محبوب بیوی سمیرہ کا انتقال ہوگیا۔ اسے بلڈ کینسر ہوگیا تھا۔ مرض جب تشخیص ہوا تو ایک ماہ کے اندر ہی وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں نے جب یہ پیغام پڑھا تو ایسا لگا جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ سارا جسم جھنجھنا گیا۔ بھانو کی صورت نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ اس کی باتیں کانوں میں گونجنے لگیں۔ اس کا محبت کا فلسفۂ وفا کا تصور، سمیرہ سے اس کا ماورائی عشق۔ نہ جانے اس کا کیا حال ہوگا! نہ جانے اس کا کیا ہوگا! نہ جانے اس نے یہ صدمہ کیسے سہا ہوگا! کاش اس گھڑی میں میں اس کے پاس ہوتا۔ ایسے موقعوں پر الفاظ بے دست و پا نظر آتے ہیں۔ دوستی، محبت اور ہمدردی کا ایک لمس وہ کام کر جاتا ہے جو الفاظ کی فوج بھی نہیں کر پاتی، لیکن افسوس میں بھانو کے کندھے پر وہ ہاتھ رکھنے سے معذور تھا جو کچھ نہ کہتے ہوئے بھی دل کی گہرائیوں کو چھو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھانو کا پیغام وصول ہونے کے بعد پندرہ بیس دن تک اسے تعزیت کی کوئی میل نہیں بھیج سکا۔ ہر روز رات کو لیپ ٹاپ لے کر بیٹھتا میل لکھتا اور Delete کر دیتا۔ آخر میں میری بیوی نے بھی اس کام میں میری مدد کی کیونکہ وہ ادب کی طالبہ رہ چکی ہے۔ اس کی مدد سے میں نے اپنے بہترین الفاظ استعمال کرتے ہوئے اسے میل لکھی جو میرے دلی جذبات کی کسی حد تک ترجمانی کرتی تھی۔ اس کے بعد کئی دن تک بھانو کی کوئی میل نہیں آئی۔ میں روز میل چیک کرتا، لیکن میل باکس خالی ملتا، میں سمجھ سکتا تھا وہ کس ذہنی کیفیت سے گزر رہا ہوگا اللہ اللہ کر کے پندرہ دن بعد اس کا جواب آیا۔

ڈیئر FM۔ (فضل مصطفیٰ) تمہاری ہمدردی کا بہت بہت شکریہ میں مصروف تھا اس لیے جواب نہیں دے سکا تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔ کل میں نے ماریہ سے کورٹ میں شادی کر لی ہے۔ بہت سا پیار، تمہارا دوست بھانو۔''

◆◆◆

◆◆◆